© rasailojaraid.com

مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی
رکن ادارۃ العلم والتحقیق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

موجودہ نظام ٹیکسیشن کا تنقیدی جائزہ

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مال ودولت برائے جمع نہیں بلکہ برائے خرچ ہے۔ اسلام نے کمائی پر اتنا زور نہیں دیا جتنی انفاق اور خرچ کی ترغیب دی ہے۔ اگر دولت گردش میں نہ رہے تو دنیاوی نظام معطل ہوکر رہ جائے گا۔ اس لیے شریعت نے دولت خرچ کرنے کے مواقع کچھ متعین کردیئے اور بعض مواقع صاحب مال کی صوابدید پر ترغیباً چھوڑ دیئے۔ مال خرچ کرنے کے لیے قرآن مجید میں چار قسم کے الفاظ ملتے ہیں۔

۱۔ ایتاء۔ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ۔ [1] اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ۔

۲۔ انفاق۔ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ [2]۔ اور جو ہم نے روزی دی ہے اُن کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۳۔ اطعام۔ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ [3] اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر۔

۴۔ صدقہ۔ قولٌ معروفٌ خيرٌ من صدقةٍ يتبعها اذًى۔ [4]۔ جواب دینا نرم اور درگزر کرنا بہتر ہے، اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا۔

یہ الفاظ قرآن مجید میں بہت مقامات پر مختلف صیغوں کی شکل میں ملتے ہیں۔ یہ الفاظ وجوبی و نفلی طور پر مال خرچ کرنے کے لیے ذکر ہوئے ہیں۔ قرآن وحدیث میں مال خرچ کرنے کے جو مواقع ذکر ہوئے ہیں خواہ وہ فرض اور واجب ہوں یا نفل، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی کی دولت لوٹ کر اس کو ایسا نہیں بناتا، کہ صاحب مال سے دولت چھین کر اس کو در در کا بھکاری بنا دے۔ یہ انصاف نہیں کہ صاحب مال کی دولت سے دوسروں کو چین وسکون حاصل ہو اور خود بے بس بیچارہ کسمپرسی کے عالم میں ہو۔ اس لیے اسلام ایسے صدقہ کی اجازت نہیں دیتا کہ خود اس کے بچے اور بیوی بھوکے ہوں اور دوسروں کو کھلاتا پھرے۔

---

[1] البقرۃ/۴۳۔ [2] البقرہ/۳۔ [3] الدھر/۸۔ [4] البقرہ/۲۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی سات قسمیں ہیں ۱۔ فرض زکوٰۃ۔ ۲۔ صدقہ فطر۔ ۳۔ حج ۴۔ جہاد بالمال۔ ۵۔ نفقات واجبہ۔

(بیوی اور بچوں کا خرچہ)۔ ۶۔ وقف۔ مسجد یا مدرسہ وغیرہ کے لیے زمین وقف کرنا۔ ۷۔ خیرات۔ حاجت مند کو قرض دینا۔ فقراء کو کھلانا، مہمان نوازی وغیرہ زکوٰۃ مقدار نصاب مال میں خاص مقدار کے ساتھ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، صدقہ فطر صاحب نصاب پر سال میں ایک مرتبہ واجب ہے۔ جس کی مقدار بہت کم ہے جہاد میں مال لگانا اپنی صوابدید پر ہے، حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اسی طرح ایک اور موقع خرچ کا قربانی ہے۔ سال میں ایک مرتبہ اگر صاحب نصاب ہے تو ایک حلال جانور کی قربانی دینی ہوگی۔ ان مذکورہ مواقع میں مال خرچ کرنے کے لیے مدت کی شرط ہے۔ مال کی خاص مقدار بھی شرط ہے۔ اور بعض مواقع میں اس کی مرضی پر موقوف ہے شریعت کے اس نظام خرچ کو دیکھا جائے تو اسلام کسی سے اس کی ساری دولت نہیں لینا چاہتا بلکہ ایسا نظام وضع کرتا ہے جس پر عمل سے صاحب مال اور دوسروں کی زندگی خوشحال بن جائے۔

یورپ اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں صدقہ وخیرات کے علاوہ زکوٰۃ، قربانی، حج وغیرہ وجوبی انفاق کا تصور نہیں۔ جب ایک آدمی اسلام کو نہیں مانتا تو اس کے تقاضوں کو کیسے پورا کرے گا۔ غیر مسلم ممالک کا ہر صاحب مال اپنے ضروری تقاضے مال کے ذریعہ پورا کرکے اگر نیکی کرنا چاہے تو رفاہی ادارہ بناتا ہے یا پھر کسی رفاہی ادارہ میں رقم صرف کرتا ہے۔ فرد کی طرح یہی سوچ ان کی حکومت کی بھی ہے۔ ان کی حکومت کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں، ان اخراجات کے لیے ان کے پاس اسلامی ذرائع آمدن نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی رعایا پر یہ لازم ہے کہ مسلمان کی طرح مذکورہ مصارف میں مال خرچ کریں۔ ان کو ایک مالدار آدمی کے ساتھ دولت ہی دولت نظر آتی ہے۔ اس لیے نظم مملکت کو صحیح نہج پر چلانے کے لیے ان کے پاس سوائے ٹیکس کی آمدن کے اور کوئی راستہ نہیں۔ جس کی وجہ سے ان ممالک میں وسیع نظام ٹیکیشن رائج ہے۔ ان ممالک کی دیکھا دیکھی مسلم ممالک میں بھی یہ نظام پورے عروج پر ہے۔ گورنمنٹ کے خزانے میں سب سے زیادہ رقم اس ذریعہ سے آتی ہے۔ ہمارے ارکان دولت اور لیڈروں کے پاس اقتصادیات اور وکالت کی ڈگریاں ہیں۔ اکثر نے ان علوم کی تعلیم یورپ میں حاصل کی ہے۔ یورپ سے واپس آنے کے بعد اپنے ملک کو اس حاصل کردہ تعلیم کی روشنی میں چلانا چاہتے ہیں۔ اسلامی اقتصادی نظام کو نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یورپ کی طرح یہاں بھی وسیع نظام ٹیکیشن رائج کردیا۔ یہ لوگ غیر مسلم ممالک کی طرح [illegible] جانتے کہ ایک مسلمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی دولت کا کافی حصہ بہ حیثیت مسلمان خود خرچ کرتا ہے۔ جس کا فائدہ حکومت اور رعایا دونوں کو ملتا ہے مسلمان جب اپنی دولت کو وجوبی یا نفلی مصارف میں خرچ کرتا ہے تو رعایا کے افراد کو بہت فائدہ ملتا ہے رعایا کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

گویا جو آدمی دولت صرف کرتا ہے تو یہ حکومت کا معاون ہے۔ لیکن موجودہ حکومتیں جب لوگوں پر ٹیکس عائد کرتی ہیں تو رعایا کے اس تعاون کو بھول جاتی ہیں۔ ملک میں صرف صحیح نظام زکوٰۃ اگر رائج کردیا جائے تو مملکت کے تمام غرباء کی تعلیم، علاج اور شادی بیاہ کا مسئلہ فوراً حل ہو جائے گا۔ خیبر سے لے کر کراچی تک لاکھوں مختلف دکانوں میں مال تجارت موجود ہے۔ سال کے بعد ان سے زکوٰۃ وصول کرکے اپنے اپنے شہر کے غرباء میں تقسیم کردی جائے تو غریبوں کے تمام مسائل حل ہونے کے ساتھ ٹیکس کی ضرورت میں بھی کافی حد تک کمی آجائے گی۔ کیونکہ اس طرح اکٹھی کی جانے والی رقم اربوں روپے سے متجاوز ہوگی۔

چونکہ زکوٰۃ ایک فریضہ اور عبادت ہے اس لیے لوگ خوشی کے ساتھ ادا کریں گے، جب کہ ٹیکس کے غلط نظام کی وجہ سے لوگ ٹیکس کو غنڈہ ٹیکس سمجھتے ہیں۔

ٹیکس کی ضرورت

حکومت کی ضروریات زیادہ ہیں۔ اور ذرائع آمدن کم ہیں۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے حکومتیں افراد کی دولت پر ٹیکس عائد کرتی ہیں۔ ٹیکس عائد کرنے کے لیے آدم سمتھ (ADAM SMITH) نے چار اصول تجویز کیے ہیں۔ آدم سمتھ اٹھارویں صدی کا ماہر معاشیات تھا۔ فرانس میں پیدا ہوا۔ دولت اقوام (ثروت الامم) اس کی مشہور کتاب ہے۔

۱۔ پہلا اصول۔ اصول مساوات (CANON OF EQUITY) جس کو عربی میں قاعدۃ العدالۃ کہتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب لوگ حکومت کو مساوی ٹیکس ادا کریں بلکہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ٹیکس دیں گے، زیادہ دولت والا زیادہ اور کم دولت والا کم ٹیکس دے گا۔

۲۔ دوسرا اصول۔ اصول تیقن (CANON OF CERTAINTY) جس کو عربی میں قاعدۃ الیقین کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹیکس دہندہ کو پتہ ہو کہ کتنا ٹیکس کب، کس کو اور کیسے ادا کرنا ہوگا۔

۳۔ اصول سہولت (CANON OF CONVINIECE) جس کو عربی میں قاعدۃ الملائمۃ ٹیکس ایسے وقت میں لیا جائے جب اس کی ادائیگی سہل ہو، اور ٹیکس گزار میں استطاعت ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمیندار سے مالیہ اس وقت لیا جائے جب اس کی فصل منڈی میں فروخت ہو چکی ہو۔

۴۔ اصول کفایت (CANON OF ECONOMY) جس کو عربی میں قاعدۃ الاقتصاد کہتے ہیں۔ یعنی ٹیکس کی مقدار کم سے کم ہونی چاہیئے۔

ماہرین اقتصادیات نے اس کے علاوہ کچھ اور اصول بھی وضع کیے ہیں۔ مثلاً اصول تنوّع اس کا مطلب ہے کہ حکومت کو صرف چند قسم کے ٹیکسوں پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیئے بلکہ کئی قسم کے ٹیکس عائد کرنے چاہیں۔ اس لیے کہ اگر کسی ایک قسم کے ٹیکس میں کمی ہو تو دوسری طرف سے پوری کی جائے۔ جیسے زرعی ٹیکس میں خشک سالی کے دوران کمی آسکتی ہے۔

اصول لچکداری۔ اگر حکومت کی ضروریات بڑھ جائیں تو ٹیکس بڑھا دیا جاتا ہے اگر حکومت کی مالی ضروریات میں کمی ہو جائے تو ٹیکس گھٹا کر آمدنی میں کمی کی جائے۔

ٹیکسوں کی اقسام

براہ راست ٹیکس (DIRECT TAX) جس کا بار ایک شخص پر واقع ہو، وہ اس کے بار کو کسی اور کے کندھوں پر منتقل نہیں کر سکتا۔ جیسے انکم ٹیکس دولت ٹیکس اور تحفہ ٹیکس۔

بالواسطہ ٹیکس (INDIRECT TAX) اس کا نفاذ ایک شخص پر ہوتا ہے لیکن وہ اس بار کو دوسروں کے کندھوں پر منتقل کر دیتا ہے۔ جیسے درآمدی کسٹم۔ ایکسائز ڈیوٹی اور محصول چونگی۔ ان ٹیکسوں کی ادائیگی کے بعد صاحب مال یہ رقم مال کی قیمت میں ضم کر دیتا ہے، جس کا بوجھ صارفین برداشت کرتے ہیں۔ اس لیے ماہرین فن کی ایک کمیٹی ہونی چاہیئے جو موجود نظام ٹیکیشن کا قرآن و حدیث اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں جائزہ لے، جائز اور ناجائز ٹیکس کی نشاندہی کرے۔ حکومت تو ہر چیز اور ہر فرد پر ٹیکس عائد کرتی ہے۔ حالانکہ ٹیکس کا نفاذ صرف ضرورت کے تحت مالداروں پر بقدر ضرورت ہونا چاہیئے۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہو رہا بلکہ ٹیکسوں کا سارا بار غریب عوام پر ہے۔ اس لیے لوگ پوچھتے ہیں کہ ٹیکس اسلام کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز۔

چند ٹیکسوں کا تجزیہ

۱۔ پراپرٹی (جائیداد) ٹیکس۔ یہ ٹیکس گورنمنٹ بعض علاقوں سے وصول کرتی ہے پھر اس کو انہی کے مفاد میں خرچ کرتی ہے۔ مثلاً روڈ، فٹ پاتھ، سٹریٹ لائٹ، گٹر لائن پارک، گراؤنڈ اور سکول وغیرہ کی تعمیر میں۔ ایسے علاقوں کی طرف حکومت گیس، بجلی، ٹیلی فون اور دیگر مراعات کی شکل میں بہت توجہ دیتی ہے [illegible] کی وجہ سے ایسے علاقہ کی اہمیت اور قیمت بڑھ جاتی ہے۔ زمین کی قیمت، مکان کے کرایہ میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے جائیداد کے مالک کو بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ نفع ملتا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام آباد کو دیکھیں، ایک کنال زمین کی قیمت کروڑوں تک پہنچ گئی۔ ان علاقوں میں مکان کا کرایہ پچاس ہزار تک پہنچ گیا۔ جو آدمی ایسے علاقوں میں زمین خرید کر مکان تعمیر کر سکتا ہے تو ٹیکس کیوں ادا نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں سے اگر گورنمنٹ سالانہ ٹیکس وصول کرے تو معقول بات ہے بشرطیکہ اس رقم کو اسی علاقہ یا دوسری جگہ کے لوگوں کے مفاد میں صرف کرے۔ جس طرح ایک آدمی اپنی زائد رقم اپنی سہولیات کے لیے خرچ کرتا ہے اسی طرح گورنمنٹ بھی لوگوں کی سہولیات کے لیے وہ رقم اغنیاء سے لے کر خرچ کر سکتی ہے۔

گاڑیوں کا ٹیکس

ایک آدمی نے بس یا ٹرک خریدا۔ مالک اس کے لیے ڈرائیور، کنڈیکٹر، چوکیدار گیراج وغیرہ کے تمام خرچے برداشت کرتا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ بس اور ٹرک کے لوازمات میں سے ہیں۔ اس طرح اس بس اور ٹرک کے چلنے اور دوڑنے کے لیے روڈ کی بھی ضرورت ہے، روڈ کا خرچ کون برداشت کرے، یہ بھی مالک کے ذمہ ہے کیونکہ اس کی گاڑی روڈ پر دوڑتی ہے لیکن روڈ کا بندوبست حکومت کی ذمہ داری ہے اس لیے گاڑیوں کے مالکان سے ٹیکس وصول کر کے روڈ کی تعمیر یا مرمت گورنمنٹ خود کرتی ہے۔ ایک فرد یہ ذمہ داری خود نہیں لے سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔

لو ترکتم بعضہم اولادہ کہ[1] اگر تم اپنے اختیار پر چھوڑ دے جاؤ تو اپنی اولاد کو فروخت کر ڈالو۔ یعنی بعض مصلحتیں خود قائم کرنے کی اجازت نہیں۔

درآمدی ٹیکس (IMPORT TAX)

درآمدی اشیاء پر کسٹم ڈیوٹی عائد ہوتی ہے۔ بلحاظ وزن یا بلحاظ مالیت۔ بعض چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ پھر بھی وہ اشیاء جن پر کسٹم ڈیوٹی لگتی ہے، جیسے چائے، چینی، تمباکو، مصنوعی دھاگہ چھالیہ وغیرہ ان کی قیمتیں اس ٹیکس کی وجہ سے بڑھ جاتی ہیں۔ جس کا بوجھ بالکل صارفین برداشت کرتے ہیں۔ اس پہ انتہائی ہمدردانہ غور ضروری ہے ایکسائز ڈیوٹی (EXCISE DUTY) ملک میں تیار ہونے والی اشیاء پر مرکزی حکومت یہ ٹیکس عائد کرتی ہے ان اشیاء میں سگریٹ، چائے، چینی، بناسپتی گھی، صابن، کپڑا، اُون، سیمنٹ، کیمیائی کھادیں، بجلی کے بلب اور مشینری شامل ہے۔ مالک یہ ٹیکس اشیاء کی قیمت میں ضم کر دیتا ہے، جس کا بار بالآخر صارفین پر پڑتا ہے۔ اس پہ بھی نظر ثانی کرنی ضروری ہے۔

---

[1] ہدایہ ج ۴ ص ۴۸۷ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیلز ٹیکس (SALSES TAX) بکری ٹیکس، ملکی اور درآمدی اشیاء پر لگتا ہے یہ بھی بالواسطہ ٹیکس ہے جس کا بار صارفین ہی پر پڑتا ہے۔ یورپ سے اقتصادیات میں بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرنے والوں کو آپس میں سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیئے کہ آخر اس کا کیا علاج ہے۔ سارا بوجھ غریب عوام پر ہے۔ اس طرح کمرشل اداروں کی بجلی، گیس، ٹیلی فون کا بل بھی زیادہ ہے۔ یہ مالکان، سود، کسٹم ڈیوٹیاں، بکری ٹیکس اور بل وغیرہ پر دی گئی ساری رقم اشیاء کی قیمت میں ضم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ گورنمنٹ کی طرف سے ان مالکان کو سوائے سودی قرضہ کے کوئی فائدہ نہیں ملتا۔ جیسے جائیداد ٹیکس ادا کرنے والوں کو نفع ملتا ہے۔

انکم ٹیکس۔ تنخواہ دار طبقے کو ابھی اپنی محنت مزدوری کی اجرت نہیں ملی ہوتی اور اس کی تنخواہ سے ٹیکس وضع کر لیا جاتا ہے۔ ان کی تنخواہوں اور اس طرح ٹیکس وصول کرنے پر نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے

چونگی ٹیکس چونگی وصول کرنا اور ضلعی ٹیکس تو بالکل ظالمانہ ٹیکس معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں غریب اور مالدار کی تمیز نہیں ہوتی۔ مال تھوڑا ہو یا زیادہ لیکن چونگی اور ضلعی ٹیکس ضرور وصول کریں گے۔ زمیندار بے چارے نے معمولی سی سبزی کی ایک گٹھڑی اٹھائی ہوتی ہے اور یہ اس سے چونگی وصول کرتے ہیں۔ مال منڈی میں ایک آدمی مرغی فروخت کرتا ہے ۱۰؍ سے بھی ضرور کچھ لیں گے۔ کوئی ضرورت مند کوئی جانور خریدے تو اس میں بھی فیصد کے حساب سے ادائیگی کرتا ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ ایسی چونگیاں وغیرہ ختم کر دے۔ تاکہ غریب عوام اس عذاب سے نجات حاصل کریں۔ قاضی ابی یعلی حنبلی فرماتے ہیں۔

[1] فاما اعشار الاموال المنتقلة فی دار الاسلام من بلد الی بلد فمحرمة لا یبیحها الشرع ولا یسوغها اجتهاد ولا هی من سیاسات العدل وقلما تکون الا فی البلاد الجائرة ولذلک قال رسول اللہؐ لا یدخل الجنة صاحب مکس و فی لفظ آخر ان صاحب المکس فی النار یعنی العاشر و فی لفظ آخر اذا لقیتم عاشرا فاقتلوه۔

ایک شہر سے دوسرے شہر مال جاتے وقت لوکل ٹیکس شریعت، اجتہاد اور عادلانہ سیاست کے منافی ہے۔ جن شہروں میں ظلم ہوتا ہے وہاں ہی اس کا نفاذ ہوگا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ چونگی وصول کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا، چونگی والا آگ میں ہوگا۔ جب تم عاشر سے ملو تو اس کو قتل کر دو۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ قاضی ابی یعلی حنبلی ص ۲۷۶ مکتب الاعلام الاسلامی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتنی سخت وعید ہے۔ [1] عمر بن عبدالعزیز نے چنگی ساری مملکت سے معاف کردی اور عمال کو لکھا کہ وہ نجس ہے

ٹیکس چوری کی وجہ

یورپ میں لوگ اپنی آمدنیوں کی نصف رقم انکم ٹیکس میں دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ کچھ دے رہے ہیں تو کچھ لے بھی رہے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے یہاں صرف دینا پڑتا ہے۔ پورا ملک کرپٹ ہے۔ شاید دنیا کے کسی ملک میں اتنی کرپشن ہو۔ ایک حساس ادارے نے ایک سال قبل چار ارب روپے کی کرپشن کی نشاندہی کی۔ یوں تو تقریباً ہر شخص ملک وقوم کی دولت کو لوٹ رہا ہے۔ الا ماشاء اللہ نیک وہی ہے جس کا بس نہیں چلتا۔ لیکن دو طبقے ایسے ہیں۔ جو سرکاری خزانے کو بلا خوف وخطر بغیر ڈکار لیے ہضم کر رہے ہیں ڈاکٹر محبوب الحق سابق وزیر خزانہ نے کہا تھا کہ سرکاری اداروں سے وابستہ عمال ہر سال اس غریب ملک کے عوام کا کم از کم ۴۰ ارب روپیہ ہضم کر جاتے ہیں

ارکان دولت ومبران قومی وصوبائی اسمبلی اور بیوروکریٹ (نوکر شاہی) ممبران اسمبلی تو بدلتے رہتے ہیں لیکن بیوروکریٹ جن کے ہاتھ میں حقیقتاً ملک کی باگ دوڑ ہے طویل عرصہ تک ملک کی ہر شیئ کو دیمک کی طرح چاٹتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ملکی دولت کا مراعات، اسراف، عیاشی اور خورد برد کی شکل میں صفایا کر رہے ہیں۔ لمبی لمبی گاڑیوں، قیمتی قالین وفرنیچر اور اعلیٰ عمارتوں کی کیا ضرورت ہے۔ کیا سوزوکی کار میں بیٹھ کر ان کا گزارہ نہیں ہوتا۔ قیمتی قالینوں پر بوٹوں سمیت پھرتے ہیں ان کو کیا مزہ آتا ہے کیا اس کی جگہ دریاں نہیں بچھا سکتے۔ روڈ پر چلنے والی گاڑیاں میں پچاس فی صد سے زیادہ گاڑیوں میں پٹرول و ڈیزل کا خرچ حکومت برداشت کرتی ہے۔ پولو کھیلنے کے لیے چالیس پچاس ہزار میں ایک گھوڑا خریدا جاتا ہے۔ ایک گھوڑے کے ساتھ ایک گھوڑا سدھانے والا (TRAINER) ہوتا ہے۔ چند مواقع اسراف وعیاشی بتا دیئے۔ ورنہ ان کا شمار مشکل ہے۔ کیا ہمارا غریب ملک ان شہ خرچیوں کو برداشت کر سکتا ہے ان بے اعتدالیوں کو دیکھ کر کوئی بھی ٹیکس دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

اب سوچنا چاہیئے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ سرکاری خزانے میں زیادہ رقم ع۔۔۔ ب

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت مولانا ابوالحسن علی ندوی حصہ اول ص ۵۰

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۴ پر)

© rasailojaraid.com